© rasailojaraid.com

ڈاکٹر ظہور الدین احمد

حافظ شیرازی

اخلاقی و معاشرتی پس منظر

حساس شاعر اپنے زمان و مکان سے بیگانہ نہیں رہ سکتا۔ ممکن ہے قصیدہ گو شعرا کے بارے میں کہا جا سکے کہ ان کی شعری وسعت ایک محدود دائرے میں رہتی تھی، ان کی ساری زندگی مدح و ستائش میں صرف ہوتی تھی، لیکن جب کبھی انہیں اس مخصوص روش سے ہٹ کر بات کہنے کا موقع ملا توان کے قلم سے داخلی و خارجی زندگی کی جھلکیاں نمودار ہوئیں۔ غزل گو شعرا کی بھی بعض زمانوں یہ روش رہی ہے کہ وہ غزل کے محدود موضوعات میں گھرے رہے ہیں اور اپنے اس خول سے باہر نہیں نکل سکے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ حاکمانہ جبر کے تحت شاعر اپنی اور معاشرتی جبر کی بات نہیں کہہ سکتا۔ حافظ ایک حساس شاعر تھے اور وہ اپنے ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ اگرچہ انھوں نے اپنے عہد کے سلاطین و وزرا کی مدح میں کہیں نہ کہیں شعر لکھے ہیں۔ لیکن وہ اپنے زمانے سے ماقبل اور خود اپنے زمانے کے امرا و وزرا کی ہوس کاریوں، خود غرضیوں اور اخلاقی برائیوں سے واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ سلطان ابوسعید نے شیخ حسن کی بیوی کو زبردستی طلاق دلوا کر خود شادی کر لی۔ شاہ شجاع اور شاہ محمود نے اپنے باپ کو اندھا کروا دیا۔ اور قید میں ڈلوا دیا۔ شاہ محمود اپنے بھائی کے خلاف اور شاہ یحییٰ اپنے چچا کے خلاف جنگ و قتال میں مصروف رہے۔ شاہ شجاع نے اپنے بیٹے شبلی کو اندھا کروا دیا۔ شیخ حسن کی بیوی نے اپنے شوہر کو قتل کر دیا۔ بغداد خاتون نے اپنے شوہر ابوسعید کو زہر کھلوا دیا۔ دمشق خواجہ وزیر نے اپنے بادشاہ کی بیگم سے خیانت کی۔ خود مختار بادشاہوں کے درباروں میں سازشیں ہوتی ہیں۔ رقابتیں بھی چلتی ہیں اور نا اہل بے قدروں کی قدردانیاں بھی ہوتی ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حافظ نے اپنی ایک غزل میں اسی قسم کے شر و فساد کا نقشہ کھینچا ہے :

این چہ شوریست کہ در دورِ قمر می بینم — ہمہ آفاق پر از فتنہ و شر می بینم
ہیچ رحمی نہ برادر بہ برادر دارد — ہیچ شفقت نہ پدر را بہ پسر می بینم
ابلہاں را ہمہ شربت ز گلاب و قند است — قوتِ دانا ہمہ از خونِ جگر می بینم
ہر کسی روز بہی می طلبد از ایام — علت آنست کہ ہر روز بتر می بینم

سلاطین و امرا کے علاوہ علما فقہا، قضاۃ و شیوخ اور محتسب تک ریاکار تھے یا بے عمل۔ ہوا و ہوس کی خاطر ہر غیر شرعی چیز کو جائز قرار دیتے تھے۔ بظاہر علم اور زہد و تقویٰ کا اظہار کرتے لیکن باطن میں بد نیت اور بد کردار تھے۔ حافظ نے اپنے کلام میں ان کا راز افشا کیا ہے :

واعظان کین جلوہ بر محراب و منبر می کنند — چون بخلوت میروند آن کارِ دیگر می کنند
فقیہہ مدرسہ دی مست بود و فتویٰ داد — کہ مے حرام ولی بہ ز مالِ اوقاف است

حافظ کو اس امر کی بھی شکایت ہے کہ اس کے معاشرے میں اہلِ علم و فضل کی قدر نہیں ہوتی۔ درباروں میں یا تو قصیدہ گو شعرا کی کچھ قدر و منزلت ہے۔ ندما و ظرفا چٹکلوں اور لطیفوں سے امرا کا دل بہلاتے ہیں۔ حافظ کے معاصر عبید زکانی نے اس ناقدری کے متعلق بھرپور طنز کی ہے۔ حافظ نے بھی بتایا ہے

کسی کہ فاضل است امروز در دہر — نمی بیند ز غم یک دم رسائی
برند از فاقہ پیش ہر خسیسی — کنون اہلِ ہنر دستِ گدائی

حافظ نے اپنی ناقد شناسی کی طرف اشارہ کیا ہے :

تو اہلِ دانش و فضلی ہمیں گناہت بس

سخن سرائی و خوش خوانی نمی ورزند در شیراز — بیا حافظ کہ تا خود را بملکِ دیگر اندازیم

حافظ کی زندگی میں فارس پر چھ بادشاہ حکمران رہے۔ ان کے عہد میں بہت کم امن و امان رہا۔ تخت کے حصول کے لیے جنگ و قتال ہوتا رہا۔ اور لوگ پریشان حال رہے۔ حافظ نے فریاد کی :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سینہ مالامال درد است دریغا مرہمی

زتند بادِ حوادث نمی توان دیدن — درین چمن کہ گُل بودہ است یاسمنی

حافظ صلح کے داعی ہیں۔ وہ نصیحت کرتے ہیں کہ دشمنی کو ترک کرو۔ دوستی کا درخت لگاؤ۔ صلح و آشتی سے رہو۔ جنگ و خون ریزی سے بچو:

آسائشِ دو گیتی تفسیرِ این دو حرف است — با دوستان تلطف با دشمنان مدارا

آفاقیت

کلامِ حافظ کی ایک خصوصیت عالمگیر انسانی احساسات و جذبات کی عکاسی ہے انسان کے بعض اساسی جذبات ہیں اور بعض اساسی فکری رجحانات۔ انسان ہر زمان و مکان میں ہر جغرافیائی اور معاشرتی ماحول میں غم و نفرت اور محبت کے متعلق سوچتا ہے اور متاثر ہوتا ہے۔ انسان اپنی انفعالی حالت و کیفیت میں اپنے فطری تقاضہ کی بنا پر کسی ہمدرد و غمگسار کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ حافظ نے اپنے زمانے کے سیاسی انتشار، اخلاقی برہمی اور معاشرتی ناہمواری سے متاثر ہو کر انسان کے دل و دماغ کی تسلی تسکین کے لیے جن افکار و جذبات کا اظہار کیا ہے۔ اس سے دکھیا انسانوں کی ڈھارس بندھتی ہے۔ ان کی زبان سمجھنے والا مغرب میں بھی ویسے ہی متاثر ہوتا ہے جیسے گوئٹے ہوا تھا اور مشرق میں تو ان کی زبان سمجھنے والے بے شمار ہیں، اس لئے ان کا متاثر ہونا تو طبعی ہے۔ دیوانِ حافظ سے فال نکالنا اور اپنی مشکلات کے وقت اس سے رہنمائی ڈھونڈنا اسی سبب سے ہے کہ اس سے انسانی نفسیات کے ہر گوشے کے لیے کسی نہ کسی طرح سے تسکین کا پہلو نکلتا ہے مثال کے طور پر یہ اشعار دیکھیے:

یوسفِ گم گشتہ باز آید بکنعان غم مخور — کلبۂ احزان شود روزی گلستان غم مخور

زرنج و راحتِ گیتی مرنجاں دل بشو خنداں — کہ آئین جہاں گاہی چناں گاہی چنیں باشد

دو یارِ زیرک و از بادۂ کہن دو منی — فراغتی و کتابی و گوشۂ چمنی

ساقیا برخیز در دہ جام را

خاک بر سر کن غمِ ایام را

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تصوّف و سلوک

حافظ تصوف کے ہر رمز سے آشنا تھے۔ اُن کے کلام میں سلوک و طریقت کے پہلے اول قدم یعنی کشش و کوشش سے لے کر فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے تمام مراحل و مقامات کا ذکر ملتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود ان مراحل سے گزرے ہیں۔ عبادت و ریاضت کی مرشد کے زیر تربیت رہے۔ انھیں اپنے صبر و استقامت کا صلہ بھی ملا۔ اور وہ مکاشفہ اور تجلّیِ الٰہی سے نوازے بھی گئے۔

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند　　وندران ظلمتِ شب آب حیاتم دادند

سلوک کا دوسرا نام عشقِ خداوندی کی راہ پر چلنا اور اس کا قرب و وصال حاصل کرنے کے لیے جد وجہد کرنا ہے۔ حافظ نے عشق کا بلند و پاک تصور پیش کیا۔ عشق ازلی و ابدی ہے۔ عشق ناپیدا کنار ہے۔ لافانی ہے اور عاشق کو بھی جاوداں بناتا ہے :

بنور نقش دو عالم کہ رنگِ اُلفت بود　　زمانہ طرحِ محبّت نہ این زمان انداخت

خلل پذیر بود ہر بنا کہ می بینی　　مگر بنائے محبت کہ خالی از خلل است

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق　　ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

حافظ نے تصوف و عشق کے اسرار و رموز اور معاملات و واردات کو تین طرح بیان کیا ہے :-

۱۔ تصوف کی اصلاحات کے ذریعے۔

۲۔ محبوب مجازی اور اس کے لوازم، شراب و میخانہ اور اس کے لوازم کی علامات کے ذریعے۔

۳۔ محبوب مجازی اور شراب و مے خانہ کی تشبیہات کے ذریعے مثلاً مے خانۂ عشق۔ مطرب عشق مستیِ عشق وغیرہ۔ دوسری قسم کا طرزِ اظہار سراپا استعارہ و کنایہ ہے۔ خاص طور پر شراب اور پھر عشق کا بیان شرابِ دو آتشہ ہوگئی ہے۔ حافظ نے مصطلحات کو مدّ نظر رکھ کر معارف کو بیان کیا ہے۔ جو شخص ان رموز و علامات سے آشنا نہیں، اس کے لیے مطالب کا استخراج و مفہوم دشوار ہے۔ وہ اس کے ظاہری معنوں پر ہی اکتفا کرتا ہے۔

چونکہ حافظ کی زندگی میں ایسا دور آیا ہے کہ شراب سے اُن کا شغف رہا ہے اور انھوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے شراب کو اس کے اصلی مادّی معنوں میں استعمال کیا ہے، اس لیے وہ لوگ جو حافظ کو ولی اللہ اور عارف باللہ جانتے ہیں، انھوں نے شراب اور اس کے لوازم کی علامات کو ہر جگہ حقیقی معنی پہنانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اس میں تکلف کی ضرورت نہیں۔ بیان اس قدر واضح اور صریح ہے کہ مادّی شراب کے علاوہ اور معنی پہنانا خواہ مخواہ کی زیادتی ہے مثلاً مبارز الدین شاہ نے مے خانے بند کروا دیے اور اعلانیہ شراب پینا ممنوع قرار دے دیا تو حافظ اس پر تبصرہ کیے بغیر نہ رہ سکے۔ انھوں نے کہا:

اگرچہ بادہ فرح بخش و باد گلبیز است　　ببانگِ چنگ مخور مے کہ محتسب تیز است

پھر جب شاہ شجاع کے دورِ حکومت میں قانونی پابندی اُٹھا لی گئی تو حافظ نے بھی خوشی کا اظہار کیا:

سحر ز ہاتفِ غیبم رسید مژدہ بگوش　　کہ دورِ شاہ شجاع است مَی دلیر بنوش

سلوک و تصوّف میں عجز و اخلاص، قناعت و استغنا شرط ہے۔ لیکن حافظ کے زمانے میں بعض صوفی و درویش، ریاکار اور خود پرست خرقہ پوش تھے۔ حافظ نے ان پر سخت نکتہ چینی کی ہے اور طنز و تعریض سے کام لیا ہے۔ مثلاً:

صوفی نہاد دام و سر حقہ باز کرد　　بنیادِ مکر با فلک حقہ باز کرد

راہِ سلوک میں مقامِ عالی طے کرنے کے بعد صوفی میں ایک اعتماد و عزم پیدا ہوتا ہے وہ تسخیرِ کائنات کا دم بھرتا ہے۔ عشق و سرمستی کے عروج میں کہی ہوئی باتیں محض مجذوب کی بڑ یا قلندروں کی خرافات نہیں ہوتیں بلکہ توفیقِ الٰہی اور پختہ ایمان کی بدولت ان میں جو قوت پیدا ہوتی ہے، وہ اس کا اظہار کرتا ہے۔ زمین و آسمان اس کے زیرِ فرمان نظر آتے ہیں۔ حافظ نے بھی بعض جگہ اس مقام کی کیفیت کو بیان کیا ہے:

گدائے میکدہ ام لیک وقتِ مستی بین　　کہ ناز بر فلک و بر ستارہ کنم

بیا تا گل برافشانیم و مے در ساغر اندازیم　　فلک را سقف بشگافیم و طرحِ نو در اندازیم

چرخ بر ہم زنم ار غیرِ مرادم گردد

من نہ آنم کہ زبونی کشم از چرخِ فلک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عقائد و افکار

شعرائے متصوفین اور خاص طور پر حافظ پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان کے اشعار میں جبریہ عقائد کی تبلیغ ملتی ہے۔ انسان اپنے آپ کو مجبور سمجھتا ہے۔ اپنی نیکی و بدی کو خدا کی طرف سے مقرر خیال کرتا ہے جو کچھ دنیا میں اس پر گزر رہا ہے وہ سمجھتا ہے کہ صحیح ہے، اس کے خلاف آواز نہیں اُٹھائی جا سکتی۔ اس قسم کے خیالات و افکار نے قارئین میں تقدیر پرستی کے رجحان کو راسخ کیا اور قنوطیت کو رواج دیا۔ اس قسم کے اعتقادات پر حافظ کے اشعار ملاحظہ کیجیے:

رضا بداده بده وز جبین گره بکشای　　　که بر من و تو درِ اختیار نکشاد است

بدرد و صاف ترا حکم نیست دم درکش　　　که هر چه ساقیِ ما ریخت عین الطاف است

بر عمل تکیه مکن خواجه که در روزِ ازل　　　تو چه دانی قلمِ صنع بنامت چه نوشت

جبر و اختیار کے یہ مسائل انسانی زندگی کے ساتھ ہمیشہ سے وابستہ چلے آتے ہیں۔ انسان خدا کو فعال لما یرید جانتا ہے۔ وہ علام الغیوب ہے۔ وہ ہماری قسمتوں کا مالک ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ جب انسان غیبی طاقتوں اور حوادثِ روزگار کے سامنے بے بس ہو جاتا ہے تو وہ اس قسم کے خیالات کا اظہار کرتا ہے جب اس کے منصوبے خاک میں مل جاتے ہیں تو اپنی تدبیر کے سامنے تقدیر کو قاہر سمجھتا ہے۔ اس قسم کے عقائد حافظ سے مخصوص نہیں۔ وہ تو مصائب کے مقابلے میں استقامت و جد و جہد کی تلقین بھی کرتا ہے۔ اور رنج و الم میں بھی خوش بینی و امیدواری کا سبق دیتا ہے۔ اس کے کلام کی یہ نمایاں خصوصیت ہے کہ وہ زندگی کے غم میں اپنے آپ کو آزردہ نہیں کرتا:

رسید مژده که ایامِ غم نخواهد ماند　　　چنان نماند و چنین نیز هم نخواهد ماند

بوی بهبودِ ز اوضاع جهان می شنوم　　　شادی آورد گل و باد صبا شاد آمد

مژده ای دل که دگر بادِ صبا باز آمد　　　هدهدِ خوش خبر از شهرِ سبا باز آمد

ای دل صبور باش و مخور غم که عاقبت　　　این شام صبح گردد و این شب سحر شود

حافظ کے متعلق یہ کہنا غلط ہے کہ اس کے کلام میں قاری زبونی و پستی کا تاثر قبول کرتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اس کے ذہن پر بے عملی و کاہلی غالب آتی ہے۔ وہ مقصود کے حصول کے لیے جد و جہد کو لازم جانتے ہیں۔ اور عافیت کوشی کی مذمّت کرتے ہیں۔ مثلاً:

در منزلِ لیلیٰ کہ خطرہاست بسی — شرطِ اول قدم آنست کہ مجنون باشی

نصیحتم چہ کنی ناصحا چہ می دانی — کہ من نہ معتقدِ مردِ عافیت جویم

در طریقِ عشق بازی امن و آسائش خطاست — ریش بادا آن دل کہ با درد جوید مرہمی

اہلِ کام و ناز را در کوئی رندی راہ نیست — رہروی باید جہان سوزی نہ خالی بے غمی

عشقِ مجازی

جس طرح حافظ نے شرابِ مجازی کے رنگ میں شرابِ حقیقی یعنی عشق و معرفت کے مضامین بیان کیے ہیں اور ان کے بعض بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شرابِ مادّی کے بھی رسیا رہے ہوں گے۔ اسی طرح انھوں نے محبوبِ مجازی کے رُوپ میں محبوبِ حقیقی کے مضامین بیان کیے ہیں۔ لیکن ان کے بعض اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی زندگی میں انہیں کسی گوشت و پوست رکھنے والے محبوب سے بھی واسطہ پڑا۔ اُن کا ایک محبوب تو نوجوان لڑکا تھا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ تعلق محبوبِ حقیقی کا تصوّرِ جمال کرنے کی طرف ایک قدم تھا۔ کیونکہ یہ صوفیہ کا عام طریقہ تھا۔ وہ کہتے ہیں المجاز قنطرۃ الحقیقۃ۔ نوجوان سادہ رو سے تجریدی عشق فرمانے کی روش عام معاشرے میں جنسی گھٹن کی وجہ سے بھی رواج پا چکی تھی۔ حافظ کے یہ اشعار اسی روایت کا اظہار کرتے ہیں۔

گو آن شیریں پسر خونم بریزد — ولا چون شیرِ مادر کن حلالش

ای نازنین پسر تو چہ مذہب گرفتہ ای — کت خونِ ما حلال تر از شیرِ مادر است

حافظ کا واقعتاً ایک محبوب بھی تھا جو سفر میں چلا گیا اور حافظ نے اس کے فراق میں غزلیں لکھی ہیں۔ غزل میں ہی خط لکھتے ہیں اور اس کی واپسی کے لیے دعائیں مانگتے ہیں:

آن سفر کردہ کہ صد قافلۂ دل ہمرہِ اوست — ہر کجا ہست خدایا بسلامت دارد

بعض فسانہ پرستوں نے حافظ کے بعض اشعار میں فرخ اور شاخِ نبات جیسے نام آنے سے یہ سمجھا ہے کہ یہ حافظ کے محبوبوں کے نام تھے۔ لیکن ان کی کوئی اصلیت نہیں شاخِ نبات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے مراد قلم ہے۔ دوسرے جن اشعار میں یہ نام استعمال ہوئے ہیں ان سے بھی اس امر کی تصدیق نہیں ہوتی:

ای من کہ در ہوائی روی فرخ — بوده آشفته، ہمچو موی فرخ
وه کہ دردانہ چنیں نازک — در شب تار سفتنم ہوس است
جان بشکرانہ کنم صرف گر آن دانۂ در — صرف دیدۂ حافظ بود آرا مگہش
این ہمہ شہد و شکر کز سخنم می ریزد — اجر صبریست کز آن شاخ نباتم دادند

یہ بات یقینی ہے کہ حافظ کا محبوب بازاری نہیں ہوسکتا ہے کہ اس کی محبوبہ اس کی بیوی ہو جو نجیب و شریف ہے۔ وہ اس سے مخاطب ہو کر کہتا ہے:

کرا رسد کہ کند عیب دامن پاکت — کہ ہمچو قطرہ کہ بر برگ گل چکد پاکی

حافظ کی ایک غزل سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی محبت میں جذباتی اور نفسیاتی سچائی ہے اور وہ حسیاتی لذت سے بہرہ ور ہونا چاہتے ہیں:

شب قدر چنین عزیز و شریف — با تو تا روز خفتنم ہوس است
گرچہ پیرم تو تنی تنگ در آغوشم کن — تا سحرگہ زکنار تو جوان برخیزم

خیام و حافظ۔ فلسفۂ لذت اندوزی

رباعیاتِ خیام کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خیام متشکک ہے۔ اس کا خیال ہے کہ

۱۔ زندگی ایک معمہ ہے جس کا آغاز و انجام معلوم نہیں۔

۲۔ دنیا ناپائیدار ہے۔ مال و دولت فانی ہے۔ اور زندگی عارضی ہے۔

۳۔ زندگی کے مختصر وقفے کو غنیمت جاننا چاہیے۔ اور نائو نوش سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

حافظ کے کلام میں بھی یہی فکری رجحانات ملتے ہیں۔ حافظ کے مندرجہ ذیل اشعار انہی متذکرہ صدر تین نظریات کے آئینہ دار ہیں:

۱۔ وجود ما معمّلی ایست ای حافظ — کہ تحقیقش فسون است و افسانہ
عیاں نہ شود زکجا آمدم کجا بودم — دریغ و درد کہ غافل زکار خویشتنم

۲۔ بنشین بر لب جوی و گذر عمر ببین — کاین اشارت زجہان گذران ما را بس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زان پیشتر کہ عالمِ فانی شود خراب — مارا بجامِ بادۂ گلگون خراب کن

حافظ کی غزلیات میں بے شمار ایسے شعر ہیں جن میں بادہ نوشی، عیش کوشی اور لذت اندوزی کی تلقین ہے۔ حافظ کی اس تشویق و تبلیغ سے یہ مفہوم لیا گیا ہے کہ وہ زمانے کے ہنگامہ زاروں سے گریز کا سبق دیتے ہیں۔ اور عزلت و شراب میں پناہ لیتے ہیں۔ حافظ کے نزدیک شراب اندوہ ربائی کا وسیلہ اور دنیا کے شر و فساد سے آرام پانے ذریعہ ہے:

شرابِ تلخ دہ ساقی کہ مرد افگن بود نوشش — کہ تا یکدم بیاسایم ز دنیا و شر و شورش

علامہ اقبال جنھوں نے مسلمانوں کے زوال و انحطاط پر گہری نظر ڈال کر اسباب زوال کا تجزیہ کیا ہے، انھوں نے حافظ کے اس قسم کے اشعار کو سکر و مستی و افیون کہا ہے۔ جو قوم کی عسکری توانائی کو اور بھی ماؤف کرتی ہے۔ انھوں نے خبردار کیا ہے:

ہوشیار از حافظِ صہبا گسار — جامش از زہرِ اجل سرمایہ دار
آن فقیہہِ ملتِ مے خوارگان — آن امامِ ملتِ بے چارگان
بی نیاز از محفلِ حافظ گذر — الحذر از گوسفندان الحذر

محاسنِ شعری

۱۔ حافظ لفظوں کی شعبدہ گری سے واقف ہیں۔ وہ ایک مرصع کار کی مانند لفظوں کو اشعار میں نگینوں کی طرح جڑتے ہیں۔ وہ عموماً مراۃ النظیر، تجنیسات اور ایہام کی رعایت کو مدنظر رکھتے ہیں۔ ایک تو تنگنائے غزل، اس پر قافیہ، ردیف کی قید اور پھر صنائع لفظی کے اہتمام کے ساتھ ایک شعر میں جہانِ معنی سمونا ایک قادر الکلام ہی سے ممکن ہے۔ حافظ کی یہ قادر الکلامی مندرجہ ذیل غزل میں قابلِ داد ہے:

گر دست دہد خاکِ کفِ پائی نگارم — بر لوحِ بصر خطِ غباری بنگارم

اس شعر میں دست، زلف، پا، بصر اور خط کی رعایت لفظی۔ لوح اور خط کی اور خاک اور غبار کی رعایت نگار اور نگار کی تجنیس کو ملحوظ رکھا گیا ہے

بربوی کنار تو شدم غرق و امید است — از موج سرشکم کہ رساند بکنارم

اس شعر میں کنار اور کنار کی تجنیس، غرق اور موج کی مراعات لفظی مدنظر ہے۔ غزل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے باقی اشعار بھی الفاظ کی شعبدہ گری کا مرقع ہیں۔

۲۔ ہر شاعر آواز کے زیر و بم اور لفظوں کے آہنگ سے ضرور واقف ہوتا ہے۔ ورنہ غزل اپنے اصلی روپ میں نہیں آتی۔ کیونکہ لطافت و نغمگی تو غزل کی جان ہے۔ حافظ یقیناً خوش آواز بھی تھے اور رموزِ موسیقی سے بھی آگاہ تھے۔ وہ کہتے ہیں:

این مطرب از کجاست کہ سازِ عراق ساخت — و آہنگ بازگشت براہِ حجاز کرد

اپنے متعلق کہا ہے۔ غلامِ حافظ خوش لہجہ و خوش آوازم

حافظ غزل کا مزاج سمجھتے تھے۔ انہوں نے اس کی بحروں میں نغمگی کا خیال رکھا ہے۔ الفاظ کے در و بست میں بھی ذوقِ نغمہ کو دخل ہے۔ حافظ نے کمال کاوش اور احتیاط سے لفظوں کا انتخاب کیا ہے۔ حافظ کی غزلیں سماع کی محفلوں میں گا کر پڑھی جاتی ہیں، جو مطالب کے علاوہ اپنے آہنگ سے بھی سامعین کو متاثر کرتی ہیں۔ ذیل کی غزلیں اپنے آہنگ کی وجہ سے مشہور ہیں:

ہنگامِ تنگدستی در عیش کوش و مستی — کین کیمیای ہستی قارون کند گدا را

رسید مژدہ کہ ایامِ غم نخواہد ماند — چنان نماند چنین نیز ہم نخواہد ماند

چرا نہ درپی عزمِ دیارِ خود باشم — چرا نہ خاکِ سرِ کوی یارِ خود باشم

۳۔ روایت کے طور پر ایک شاعر اپنی شاعری کے ابتدائی دور میں اساتذۂ سخن کے کلام کو پیش نظر رکھتا ہے اور اس کے اسلوب و روشِ نگارش کی پیروی کرتا ہے۔ یا وہ اپنے کلام کی پختگی کے دور میں اساتذہ کے مقابل انہی کی روش میں شعر کہتا ہے اور اپنی برتری یا اُن کی برابری کا دعویٰ کرتا ہے۔ حافظ نے اپنے متقدمین و معاصرین میں سے سعدی، سلمان، ساوجی اور خاص طور پر خواجو کرمانی کے کلام کو پیش نظر رکھا ہے۔ بعض غزلوں کے برابر ایک ایک شعر کی پیروی کی ہے۔ اور اسی قافیے میں نئے نئے مطالب نکالنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن وہ اپنے آپ کو روشِ خواجو کا پیرو کہتے ہیں:

استادِ سخن سعدی است پیشِ ہمہ کس اما — دارد سخنِ حافظ طرزِ و روشِ خواجو

لیکن آج خواجو کو بہت کم لوگ جانتے ہیں اور حافظ ہر پڑھے لکھے فارسی جاننے والے کی زبان پر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ لفظی پیروی سے ایک شخص کا کلام زندہ و پایندہ نہیں ہوتا۔ (باقی بر صفحہ ۳۹)

© rasailojaraid.com